کتب

اسلام کا روشن مستقبل مصنف: سیّد قطب شہیدؒ۔ مترجم عبدالحمید صدّیقی۔ صفحات ۲۳۲۔ قیمت ۴ روپے۔ ناشر: ادارۂ نشریاتِ اسلام لاہور۔ ملنے کا پتہ: ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ۔ لاہور

سیّد قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام کے وہ بطلِ جلیل ہیں جنہوں نے اسلام کی "شہادتِ گہِ الفت" میں اس شان سے قدم رکھا کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ اسلام سے ان کی لازوال محبّت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ اپنا سرمایۂ جسم و جان اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نُور سے بھر دے اور ہر صاحبِ ایمان کو ان کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیّد قطب شہیدؒ کی یہ کتاب "کارِ مرداں روشنی و گرمی است" کی تفسیر ہے۔ ایک ایسے دَور میں جبکہ ساری دنیا میں اسلام ہر کہیں مظلوم و مقہور رہے ان کے یہ الفاظ کس قدر دلوں کو گرمانے والے ہیں:

> "آج تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں پر جو وحشیانہ ضربیں مختلف باطل قوتوں کی طرف سے لگائی جا رہی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ مادّی تہذیب جن بنیادوں پر اُستوار ہے وہ بڑی عظیم ہیں۔ ان تاثر سے ہمیں غلبۂ حق کے بارے میں بالکل شک و شبہ کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ معرکۂ خیر و شر میں باطل کا بڑا ہونا اور اسلام پر لگائی جانے والی وحشیانہ ضربوں کی قوت فیصلہ کن کردار ادا نہیں کرتی بلکہ اہل فیصلہ کُن کردار حق و باطل کی طرف سے لگائی جانے والی تباہ کُن ضربوں کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کی ہمت عطا کرتی ہے۔"

اہلِ ایمان کے لیے یہ الفاظ یقیناً بہت ایمان افروز ہیں لیکن دَورِ حاضر کے انسان کو اسلام کے روشن مستقبل کے بارے میں قائل کرنے کے لیے اس قسم کی تحریریں بالکل بے اثر ہیں۔ اسلام کے مستقبل کے بارے میں اس قسم کی تصنیف کے مخاطب دو طرح کے قارئین ہو سکتے ہیں یعنی مسلم یا غیر مسلم۔ سیّد قطب

نے اس کتاب کے دو ابواب "دلدل و زلزلے" اور "نجات دہندہ کی تلاش" کے عنوان سے تحریر فرمائے ہیں اور ان میں ڈاکٹر الکسی کیرل کی کتاب (MAN THE UNKNOWN) اور مسٹر ڈلس کی کتاب (WAR AND PEACE) کے طویل اقتباسات دیتے ہیں۔ ان اقتباسات میں مغربی تہذیب کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن محض مغربی تہذیب کی خامیوں کو گنوا دینے سے بات نہیں بنتی۔ مغربی مفکّرین میں سے ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لکھنے والوں کی مل جاتی ہے جنہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ مغربی تہذیب کی خرابیوں کو بیان کیا ہے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی تہذیب پر ایسی کڑی تنقید کی ہے کہ ویسی تنقید شاید ہمارے بڑے بڑے مفکّرین اسلام سے بھی نہ بن پڑے۔ سی۔ای۔ایم جوڈ، پٹرم سوروکن، لیوس ممفورڈ، وانس پیکرڈ، ہربرٹ مارکوس، ڈینی ڈوبوس ایرک فرام، جان ڈبلیو گارڈنر غرض بے شمار لکھنے والے ایسے ہیں جنہوں نے مغربی تہذیب کی قہرمانیوں اور چیرہ دستیوں کے خلاف زبردست احتجاج کیا ہے۔ بیمار سے زیادہ اپنی بیماری سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ اس لیے اہلِ مغرب کے سامنے مغربی مفکرین کی ہی تحریروں سے ان کی تہذیبی بیماریوں کا بیان کر دینا تبلیغی نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ سُود مند نہیں ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مغربی تہذیب کی نفی کے بعد اسلام کے ایجابی پہلو کو سامنے لا کر دینِ حق کی برتری کو واضح کیا جائے۔ مثلاً سُودی کاروبار کی قباحتوں کو بیان کر دینا ایک بات ہے لیکن غیر سُودی بنکاری کے متعلق ایک ایسا قابلِ عمل لائحہ عمل تجویز کرنا جو اسلام کی روح کے عین مطابق ہو ایک بالکل الگ بات ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری اور اشتراکیت کی خرابیوں کے بارے میں دونوں طرف سے اتنا لٹریچر لکھا جا چکا ہے کہ ان دونوں کے ردّ کے لیے دونوں مکتبہ ہائے فکر کے چند سکالروں کی تحریروں کو اکٹھا کر دینا ہی کافی ہوگا لیکن اس سے اسلام کی برتری کا کوئی تاثر اس وقت تک پیدا نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ نہ بتایا جائے کہ اسلام موجودہ دور کے معاشی مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے۔ غرض بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ ہو یا ماحول کی زہر آلودگی کا، محض تنقید اسلام کے بارے میں کسی قسم کی یقین آفرینی کا موجب نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہر مسئلہ کے بارے میں اسلام کا واضح، ٹھوس اور عملی پروگرام بیان نہ کیا جائے۔ اس قسم کے دعوے کہ "اگر کوئی دین دنیا کے موجودہ اضطراب و ہیجان کو سکون و ثبات میں بدل سکتا ہے

تو وہ صرف اسلام ہے اور یہی وہ "نسخہ" ہے جو بنی نوعِ انسان کی جملہ بیماریوں اور دکھوں کے لیے شفا بخش ثابت ہو سکتا ہے" (صفحہ ۱۱۳)، دَورِ حاضر کے انسان کو قائل نہیں کر سکتے۔ غیر مسلم تو غیر مسلم خود مسلمانوں کے لیے ان کے ایمان و ایقان کو مضمحل کر دینے والی اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں کہ انہیں وعظ تو سنایا جاتا ہے اسلام کی برتری اور غلبہ کا لیکن انہیں چاروں طرف مشاہدہ ہو رہا ہے اسلام کے نام لیواؤں کی مظلومیت اور مفلوک الحالی کا۔ پھر ان مایوس کن حالات میں ایک مکتبِ فکر وہ ہے جو انہیں یہ تسلی دے رہا ہے کہ دنیا میں کامیابی اسلام کا مطمحِ نظر ہے ہی نہیں۔ اسلام تو محض آخرت سنوارنے کی ضمانت دیتا ہے۔ سیّد قطب شہیدؒ یقیناً اس مکتبِ فکر سے تعلق نہیں رکھتے، کیونکہ ان کا موقف یہ ہے کہ

"نہ یہ دین محض اُخروی جنت کے حصول کا کوئی راستہ ہے" (ص ۱۴)

"خدا پرستانہ اسلوبِ زندگی کی فطرت میں یہ بات داخل نہیں کہ وہ وجدانی کیفیات، اخلاقیات اور شعائرِ عبادت یا حیاتِ بشری کے مختلف گوشوں میں سے صرف ایک تنگ سے گوشے جسے شخصی احوال کہا جاتا ہے تک محدود رہے۔

یہ بات بھی "الدّین" کے مزاج کے خلاف ہے کہ وہ دنیوی زندگی سے یکسر قطع نظر کر کے لوگوں کو صرف اُخروی فلاح کا راستہ بتائے جس کی انتہا جنت ہے"۔ (ص ۱۴)

لیکن اجتماعی زندگی میں اسلام کو غالب کرنے کی عملی تدبیر کیا ہے؛ اس کی وضاحت سیّد قطب شہیدؒ کی کتاب سے نہیں ہوتی۔ فقط یہ دعویٰ پایا جاتا ہے:

"فطرتِ کائنات اور فطرتِ انسانی کی قوتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ یہ قوتیں ہر چیز سے بڑی ہیں جو خلافِ فطرت مادی تہذیب پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں اور جب تہذیب اور فطرت باہم دگر دست و گریباں ہوں تو فطرت کا کامیاب ہونا خداوندِ جہاں کی طرف سے مقدر کر دیا جاتا ہے۔ (ص: ۱۳۰)

غرض یہ کہ اسلام کے روشن مستقبل کے بارے میں سیّد قطب شہیدؒ نے اس کتابچہ میں اسلام کے ایجابی پہلو کو نمایاں نہیں کیا بلکہ بعض امور کے بیان کے بارے میں ان کا اپنا موقف بھی پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں "میرا خیال تھا کہ ڈاکٹر کیرل جو صنعتی تہذیب کو بدلنے اور انسانی ترقی کے لیے ایک نظام کی ضرورت کا تذکرہ شدومد سے کرتے ہیں، ایک جست لگا کر سائنس

کے آہنی قفس سے نکل آئیں گے مگر وہ کوئی بڑی جست نہیں لگا سکے اور قفس کے اندر ہی اندر دہائی دیتے رہے" (ص ۱۱۵)۔ مگر کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

"جب تک ہم علم و تجربہ کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس تہذیب و ثقافت کو اپنے تابع نہیں کریں گے ہم اس بات کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکیں گے کہ اس میں کن چیزوں کو اپنایا جائے اور کن کو چھوڑا جائے۔ یہ علم و تجربہ ہی ہمیں حسن و قبح میں تمیز کرنے کا اختیار دیتا ہے ......

... حیاتِ بشری کے مزاج اور اس کی تازہ بہ تازہ حقیقی ضروریات کو سمجھنے میں بھی اس دین کے معیار کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم تہذیب حاضر میں جو کچھ چھوڑیں وہ زندگی اور تہذیب کو علم و تجربہ کی کسوٹی پر پرکھ کر چھوڑیں۔ اور اس تہذیب میں سے جن اقدار کی بقا چاہیں وہ بھی علم و تجربہ کی کسوٹی پر پرکھ کر چاہیں (ص ۱۳۱-۱۳۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"ایسا نظام جس میں روحِ ایمانی کو علمی انکشافات اور سائنسی معلومات پر نگران و نگہبان کی حیثیت حاصل ہو اور علمی اور سائنسی ترقی کو اس بنا پر رد کرنے کا خواہاں نہ ہو کہ وہ مذہب اور ایمان کے لیے خطرہ ہے" (ص ۱۱۲)۔

ظاہر ہے کہ دورِ حاضر کے مسائل کے بارے میں سید قطبؒ کا موقف مبہم اور غیر واضح ہے۔ غالباً اسی کے پیشِ نظر پروفیسر خورشید احمد صاحب نے پیش لفظ میں یہ توضیح کر دی ہے کہ "فاضل مصنف نے جس دور میں یہ کتاب تصنیف کی چونکہ وہ دور ان کے لیے بڑا پُرآشوب تھا اس لیے مرحوم اس میں ترتیب و تدوین کا وہ معیار قائم نہیں رکھ سکے جو انہوں نے اپنی بعض دوسری تصانیف میں رکھا ہے۔ تاہم فاضل تقریظ نگار کے اس خیال سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہوگا کہ" ان کی اس تصنیف میں ان کی اسلام کے ساتھ گہری محبت۔ اس کی تعلیمات پر یقینِ کامل پوری طرح نمایاں ہے"۔ نیز اسلام کے ساتھ محبت کی جو چنگاری فاضل مصنف کی اس کتاب میں فروزاں ہے اس سے تمام اہلِ شوق اپنے دلوں کو گرما بھی سکتے ہیں اور انہیں روشن بھی کر سکتے ہیں۔

ترجمہ کے بارے میں عبدالحمید صدیقی صاحب کا نام بجائے خود ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

مظفر حسین